باب ۳

خوشبو

یاداشت کا بہترین ذریعہ، بوئے وفا

جسمِ انسان کو حواسِ خمسہ عطا ہوئے۔ محسوسات کی دنیا میں ان صلاحیتوں کے فیضان سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ مگر انسان کسی چیز کو دیکھتا ہے پھر برس ہا برس بعد وہی چیز سامنے آتی ہے تو کبھی پہچان بھی لیتا ہے۔ اور کبھی یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ دیکھی بھالی معلوم ہوتی ہے۔ ایک شک کی گنجائش ضرور رہ جاتی ہے۔ یہی حال آواز، ذائقہ اور چھونے کی حس کا ہے۔ مگر یاد داشت کا بہترین ذریعہ خوشبو ہی نظر آتی ہے۔ لطیف ترین حس یہی قوتِ شامہ ہے۔ سونگھنے کی صلاحیت کا تعلق سانس سے ہے۔ سانس زندگی کا رشتہ قائم رکھنے کی ضمانت ہے۔ آنکھ، کان ، زبان بھی بند ہوں لیکن سانس چلتی رہے تو زندگی جاری رہتی ہے۔ سانس کا احسان، سپاس، انفاس، دمِ عیسیٰ، نفسِ جبریل یوں بھی دیکھنا سننا ایک محدود فاصلہ تک کی بات ہے۔ مگر خوشبو میلوں سے آتی ہے۔ سونگھنے والی ناک چاہئے۔ سائنس بھی تجربے کر کے بتا رہی ہے کہ صدیوں تک اشیاء کے تاثرات نہیں جاتے۔ ان تاثرات کی ادنیٰ مثالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی بیمار کے بال کا ٹکڑا، یا جاذب پر خون کا قطرہ یا اس کے دستخط کر کے معالج کو بھیج دیئے جاتے ہیں۔ اور انہیں آلہ پر رکھ کر دور مقام سے علاج کر لیتا ہے۔ یا زراعت کے شعبہ میں دور سے ہی مخصوص تاثرات ڈال کر کاشت بڑھائی جاتی ہے۔ یا جراثیم سے کھیتی کو پاک کیا جاتا ہے۔

یہ بھی تجربے ہو چکے ہیں کہ کوئی چیز ایک جگہ موجود ہو تو وہاں سے ہٹ جانے کے بعد بھی عرصہ تک اس چیز کے تاثرات وہاں رہتے ہیں۔ اور اس چیز کی تصویر بعد میں بھی لی جا سکتی ہے۔

آواز کی بابت بھی یہی ہے کہ ضائع نہیں ہوتی۔ بلکہ پھیل جانے کے باوجود فضا میں قائم رہتی ہے۔ البتہ خوشبو کا تاثر لینے کیلئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روحانی صلاحیت کی بات ہے اور اس کا تاثر اس لئے سب سے دیر پا ہوتا ہے کہ یہ کچھ اس قسم کی چیز ہے کہ کسی بزرگ کی پیدائش سے دو سو سال قبل ہی ابو الحسن خرقانیؒ نے سونگھ کر فرمایا کہ آج سے دو سو سال بعد پیدا ہونے والی سعید روح کی خوشبو سونگھتا ہوں۔ یہ گویا اس روح کی خوشبو کی بات ہے جسے سونگھنے والی ناک زمان و مکان کی حدود سے پرے بھی سونگھ لیتی ہے۔

یا وہ حضرت امیر خسروؒ کا واقعہ کہ ایک راہ گذر سے حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خوشبو پا کر، اس سے حضورؒ کی نعلین اپنے سارے قافلے کا سامان اور اونٹ دیکر خرید لیں۔ خسروؒ کے اس سوزِ روحانی کی بابت حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کاش مجھے خسروؒ کا سوز مل جائے تو اپنی ساری ولایتیں اسے بخش دوں۔ یہ حضرت نظامؒ سے ایک مدت ہم نشینی کی بات تھی جس کے لئے خسروؒ نے کہا تھا۔

زقید دو جہاں آزاد گشتم
اگر تو ہم نشینِ بندہ باشی

یا پھر وہ بوئے پیرہنِ یوسف کا واقعہ کہ بیس سال بعد جو نابینا حضرت یعقوبؑ نے اپنے لختِ جگر کی پیراہن سونگھی تو بینائی واپس آ گئی ۔ یہ خوشبو گویا چشم کو بینا کر دیتی ہے۔ اگر چہ نظر کی شان بھی بذات خود کیا کم ہے۔ "یَنظُرُ

بِنُوْرِ اللّٰہ" کی بات ہے۔ اس واقعہ کے بعد خوشبو بات نسبتِ یعقوبی کہلائی۔ یہ خوشبو سونگھنے کی صلاحیت محبت و وفا کی بدولت ہے۔ وفا ہے تو اپنے مسام خوشبو کو پانے کے لئے کھل جاتے ہیں۔ ایک "اسفل" وجود تک میں یہ بو سونگھنے کی صلاحیت وفا کی دلالت دیتی ہے۔

کتے کو آدم کی ناف کی مٹی سے بنایا۔ اس میں بھی ایک اشارہ ہے۔ نافہ ذات کی خوشبو کا ظل اس اسفل وجود تک میں ایسا بسا کہ سونگھنے کی حس سب جانوروں سے زیادہ پائی۔ یہی بوئے وفا کی دلیل بنی۔ کتے کی وفا ضرب المثل بن گئی۔ اب اعلیٰ مقامات پر اس وفا کا کون اندازہ لگائے۔ پھر اکمل مقام پر تو یہ وفا وفائے ابراہیمی کی نشانی بنی۔ خلیل اللہ کہلائے۔

نسبتِ شیخ

یہ وفا ہی توحید میں ان کے مقربِ بارگارہ ہونے کی دلالت ہوئی۔ اور قربِ وحدت کی نشانی قائم ہوئی۔ یہ تو تھا نبوت کا مقام۔ اس سے ماورا بندگی غلامی کی منزل میں یہ وفا بلالی شان ہوئی کہ معراج تک میں حضرت بلال کے قدموں کی چاپ حضور اکرم ﷺ نے سنی۔ اس طرح وفا کی تصدیق ہوئی اور یہ وفا ہی ہم سفر بن کر محبوبِ حقیقی کے در تک لے گئی۔ نکتہ کی بات ہے کہ یہاں جبرئیل بھی جانے سے عاجز تھے۔ یہ وفا نسبت کی بات تھی۔ نسبت بڑی چیز ہے۔ کسی کی محبت ہو، عقیدت ہو، ارادت ہو تو ساتھ نہیں چھوٹتا۔ اپنے میں سے اپنے مرکز محبت کی خوشبو آتی ہے۔ اسی نسبت کے لئے کہا ہے۔

اے گل بہ تو خور سندم تو بوئے کسے داری

(اے پھول تجھے سونگھتا ہوں تجھ میں سے کسی کی خوشبو آرہی ہے)

گل سے یہ نسبت، اس کے جمال، اس کے حسن کے کیا کہنے۔ یہ سہاگ کی بات ہے سہاگن ہو جائے تو عروسِ ذات کا روپ نکھر آتا ہے۔ اب یہ نسبت محسوس ہی کی جاسکتی ہے۔ اور صرف چھٹی حس سے اسے نسبت کا سونگھنا کہہ سکتے ہیں۔ البتہ نسبت کے لئے دو وجود ضروری ہیں، ایک میرا، ایک تیرا۔ ایک میری انا، ایک انائے مطلق۔ اب فیضِ صحبت سے مٹی میں بھی پھول کی آنے لگتی ہے۔ پوچھا جائے تو یہی کہے گی۔

جمال ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یہ ایک مدت گل کے ساتھ ہم نشینی کا صلہ ہے کہ مٹی میں بھی پھول کا جمال جھلک اٹھتا ہے۔ اس نسبت سے خاک بھی نوری ہو جاتی ہے۔ مثلاً شجاعت کے لئے نسبت کا رازِ علیؓ بابہا ہے ہم تعین میں ہیں اس لیے یقین میں ہی اس نسبت کو پانا ہے۔ اس کے لئے شیخ کا وجود میں ہونا ضروری ہے، تا کہ شیخ کا ہاتھ ہاتھ سے نہ چھوٹے مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

دستِ اُواز غائباں کو تاہ نیست
دستِ اُوجز قبضۂ اللہ نیست

یہ پرونے والا ہاتھ موجود ہو تو اپنی تسبیح کے دانے کو پرو ہی دیتا ہے، البتہ دانہ سوراخ والا ہو اور ڈوری نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی طرف سے آجائے۔ ٹوٹے ہوئے دل کو دانہ کا سوراخ کہہ لو۔ پرونے والے کو ٹوٹا ہوا دل ہی رجوع کرتا ہے۔ ٹوٹا ہوا دل وہ ہے جو غم امت میں ٹوٹا ہو۔ تب ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی طرف سے ڈوری آنے کی امید ہے۔

یہ ہے شیخ کی نسبت قائم ہونے کی بات اس نسبت کے علاوہ اگر کوئی

اور چیز دل میں ہوتو اجمیر، بغداد، مدینہ جا کر بھی فیض کم ہی ملتا ہے۔ اپنے پیر کی نسبت ان جگہوں پر بھی قائم ہے تو فیض ہو جائے گا۔مشہور ہے کہ حضور اکرم صلعم کی موجودگی میں خسرو حضرت نظامؒ کی ہی قدم بوسی کرتے رہے۔ جس در تک رسائی تھی اسی پر جھکتے رہے۔ یہ ہے ''عَلِیٌّ بَابُھَا'' کا راز جسے دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم مسکرا دیتے تھے۔ ایسی نسبت لافانی شے ہے۔ یہ ازلی سعادت کی بات ہے اور اسی کے سہارے فقیر کا ''سُکن'' ہے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ اور بندے کے درمیان رابطہ کی بات نسبت شیخ کے ذریعہ ہی ہے۔ میرا رب سے ایک خصوصی تعلق قائم ہو جانے کی بات ہے۔ ماں کی گود مل جانے کی بات ہے۔ یومِ ازل وہ آمنا سامنا، عہدو پیمانِ وفا، کیسی تسلی، کیسی تسکین کیسے سہارے کی بات تھی۔ کیا میں تمہارا رب ہوں کہہ کر ربوبیت کی بابت ایک پہلے سے جاری شدہ چیز ہونے کی یاد دہانی کر دی گئی۔ اور آئندہ بھی ربوبیت کے جاری رہنے کی ضمانت دے دی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس ربوبیت کے فیضان کا شعور انفرادی روحوں میں پہلے سے تھا۔ اور اسی کے اقرار میں ''قَالُوْا بَلٰی'' ہوا تھا۔

شکر و احسان ہے کہ ربوبیت کا یہ فیض اب بھی جاری ہے۔ جب اس کی رزّاقی، پالنے، پرورش کرنے کے احسان کو ہم پہلے سے دیکھ چکے ہیں اور آگے کی بھی ضمانت مل گئی ہے تو کیوں نہ اپنی اپنی فکروں سے آزاد ہو جائیں۔ اس ربوبیت کی تکرار اس پیمانِ اَلست کے پیچھے محبت کے رشتہ کی استواری دیکھیں۔غور کریں۔تو ''اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ'' نے اس تصدیق کے بعد اور شدت اختیار کر لی ہے۔ پہچانے جانے کے شوق میں دونوں جانب اور زیادہ محبت ایک دوسرے کے درمیان اُمنڈ آئی ہے۔ جب ادھر سے سب کچھ عطا کیا

گیا ہےتو کیوں نہ اُدھر سے سب کچھ ان پر قربان ، اُدھر سے سراپا رحمت ہےتو اِدھر سراپا عاجزی ہوتی ہے۔ اُدھر سراپا الوہیّت ہے،تو اِدھر سراپا بندگی اختیار کر لیتی ہے۔ وہ سراپا ناز ہیں تو ہم سراپا نیاز ہو جائیں۔

بُوئے دوست

اے رب تو نے ہمیں بندہ بنا کر بڑا احسان کیا۔ وفاداری کے لائق گردانا۔ تجھ میں بوئے اُنس ہے۔ مجھ میں بوئے وفا۔ تیری ذات کی خوشبو خود میرے وجود سے پھوٹ نکلی ہے۔ آہوئے ختن کی طرح اپنے نافۂ ذات کی خوشبو میں مست ہوں ۔ پھر جب کبھی تیری جانب سے ایک خوشبو کی ہوا چلتی ہے۔تو یہ آہوئے صحرائی اپنے سے باہر ہو جاتا ہے۔

بوئے بہ نیاز آمداز طرہ مشکنیش
از خود بہ رمید آخر این آہوئے صحرائی

یا جیسے خواجہ اجمیریؒ نے فرمایا کہ جب کبھی اُنفُس میں اپنے باطن میں، آفاق میں، ظواہر عالم میں بوئے دوست آتی ہےتو سمجھ لیتا ہوں کہ تیرے کوچہ سے ہوا چل پڑی ہے۔

مگر صبا ز سرِ کوئے دوست می آید
کہ از زماں و زمن بوئے دوست می آید

یہ زمان و زمن میں بوئے دوست پا جانا بس کوئے دوست سے ہوا چلنے کی بات ہے۔ ذات کی خوشبو میں بس جانے کی بات ہے کہ پھر جدھر نکلے فضا معطر ہوگی۔ یہ کملی ہو جانے کی بات ہے۔ گیسوئے مشکیں میں لپیٹ لئے جانے کی بات ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کے لئے فرمایا ہے کہ کوئی نہیں جانتا

سوائے میرے۔ اس حالت میں ہو جانے کے بعد، بوئے دوست کو پا جانے کے بعد، وجود کو چیر کر نکل جانے کی بےقراری ہوتی ہے۔ "مستیءِ اَلَستُ" کا کیف پھر سے ملتا ہے۔ اس مستیٔ بوئے ذات کے نشہ کے آگے سارے نشے ہیچ ہیں۔ یہاں تک کہ محبت کا نشہ تک اپنی ہی خود پرستی سی معلوم ہوتی ہے۔ محبت کے عالم میں دوئی کی بے کیفی اور کرب سے چھٹکارا کہاں۔ یہ وجود پردہ بہ پردہ راہ میں حائل ہے۔ حجاب در حجاب بنا ہے۔ شوقِ طلب کے آگے ان سہاروں کی کیا ضرورت۔ اس نارِ عشق کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جبرئیل تک کا بھی سہارا قبول نہیں۔ تو پھر یہ آنکھوں کا سہارا دیدار کے لئے کیوں ہو قرنی کی ادا کیوں نہ اپنائی جائے۔ مگر وہاں یہ بوئے دوست تو روح میں بسی ہے۔

قلندر بو علی ہستم بہ بوئے دوست سرمستم
دل اندر سوز او بستم نمی دانم کجا رفتم

یہ بوئے دوست انبساطِ روح ہے۔ روح "امرِ رَبّی" دوئی کی گنجائش کہاں ایک مستی وحدت، ایک کیفِ ہا ہوئے ذات، جسم و جان کے بندھنوں وجود کے پھندوں سے نکل جانے کی بات۔ کشتۂ وفا کو گیسوئے مشکیں کی خوشبو سنگھائی اور اس کی روح اس خوشبو کے ساتھ خود ہی خوشبو بن کر سُوئے محبوب چلی۔ نہ آخری سانس کا بوجھ، نہ پاسِ انفاس کا احسان۔ کسی کے کوچہ سے ہوا پہنچی اور "اِنَّا لِلّٰہِ وِانَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" کہتے وجود سے نکلے۔

بوئے حبیبؐ بس روح اور ذات کے درمیان ایک راز ہے۔ اس کا بیان کیسے ہو۔ یہ ہم میں خوشبو بس جانے کی بات نہیں بلکہ یہ کہ ہم اس خوشبو میں بس جائیں۔ اس کی ایک جھلک جوانی کے زمانے میں ملی۔ جذب کا عالم تھا۔ حقیقت میں یہ حال تھا کہ لوگوں کو سانس میں جلے گوشت کی بو آتی تھی۔

حال یہ تھا کہ پھٹ پڑنے کے قریب۔ پھر رحمت نے لپیٹا۔ اپنے کو حبیبؐ پاک سے معانقہ کرتے پایا۔ زلفوں میں چہرہ پیوست تھا۔ مشک کی خوشبو تھی اور دل میں یٰسٓ یٰسٓ ابل رہی تھی۔

مشک کی خوشبو یٰسٓ شریف ہے۔ ذات میں بس جانے کی بات ہے۔ اَنفُس یعنی باطن راہ ہے، حیاتِ روح ہے۔ جیتے جی موت میں مزہ آتا ہے مشکِ یٰسٓ میں بس جاؤ تو روح کی اپنی لذت جو کسی کسی ہی کو صرف مرتے دم نصیب ہوتی ہے، جیتے جی ہی نصیب ہو جائے گی۔

گلاب کی خوشبو سورۃ رحمٰن ہے۔ صفات میں بس جانے کی بات ہے یہ آفاق یعنی ظاہر کی راہ ہے۔ ایک جوتی میں دین ایک میں دنیا۔ جوتے اتارنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی یعنی دین دنیا چھوڑنے کی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہین تو حضرت موسیٰ کی حد تک جوتے اتارتے ہیں۔ دین دنیا پیچھے چھوڑ آتے ہیں۔ مگر اس کے بعد دین و دنیا چھوڑنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

معراج میں مع نعلین کے جاتے ہیں۔ دین دنیا قدموں میں ہوتی ہے۔ ''شمامة العنبر'' دلہن کو لگاتے ہیں۔ عروسِ ذات کو۔ یہ حسینیؓ خوشبو ہے۔ شہادتِ کبریٰ ہے۔ جسے نصیب ہو کہتے ہیں۔ ۶۵ء کی جنگ میں صدیوں بعد اس کی پھر سے خوشبو آئی تھی۔

حنا، مہندی کا عطر وصل کی خوشبو ہے۔ پیرانِ پیرؒ نے فرمایا۔

شکر للہ کہ نہ مردیم و رسیدیم بہ دوست
آفریں بادبر ایں ہمّتِ مردانہ ما

مہندی رنگے ہوئے ہاتھوں کی بات ہے۔ حنا ایسے ہی ہاتھوں سے کی جاتی ہے، تب ہی مستجاب ہوتی ہے۔ حنا شہود میں آنے سے پہلے رگڑائی چاہتی

ہے۔ پہلے ہلکا رنگ سپردگی کا، پھر سرخ شہادت کا، پھر سیاہ توحید کا۔ حنائی خوشبو میں بسنے کے لئے ان تمام منازل سے گذرنا ہوتا ہے۔ یہ حنائی خوشبو عطا ہے۔ نسوانیت کی خوبی ہے کہ لینا کچھ نہیں سب کچھ محبوبؑ کے سپرد۔ یہ خوشبو شہید وفا کی خوشبو ہے۔ یہ تصور کہ پس کفن اوڑھ لے اور جنگ میں ہلہ بول دے، تب بات ہے۔

چنبیلی حسین عورت کی خوشبو ہے۔ جمالِ ذات کی۔ کبھی کبھی اللہ میاں یا کوئی بزرگ حسین عورت کے روپ میں آتے ہیں تو اس کیفیت کی خوشبو چنبیلی کی ہے۔

کافور۔ قیام کی نشانی ہے۔ جو چیز رہ جاتی ہے یعنی مٹی۔ اس کو بھی قیام ملتا ہے کافور سے۔ مشک سے پہلے کافور ہوتا ہے۔ کافور صحن ہے، زمین ہے مشک کا۔

صندل۔ اکثر عطروں میں زمین صندل کے عطر سے کرتے ہیں۔ یہ عطر نسبت کی نشانی ہے۔ اس کے بغیر کسی چیز کو قیام نہیں ملتا۔ آنی جانی ہوتی ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس طرح دیکھا جائے تو ہر روح کی خاص خوشبو ہوتی ہے۔ یہ بغیر عطر کی خوشبو ہے۔ جس میں مادی ذرات نہیں ہوتے۔ یہ روح کی سواری ہے۔ ہر انسان کی فطرت میں ہے۔ سفر طبعًا۔ جیسے نئے گھوڑے یا گاڑی سے کتنی محبت ہوتی ہے، اسی طرح خوشبو سے ایک فطری تعلق ہوتا ہے۔ اور کسی بزرگ کی روح کو رجوع کرنے کے لئے خوشبو کا استعمال کرتے ہیں۔

خوشبو کی تجرید

غور کرنے کی بات ہے کہ حضور اکرمؐ کو تین چیزیں مرغوب تھیں۔

عورت، خوشبو، نماز۔ صرف سطحی نظر سے اس بات کی معنی فہمی کہاں ہو سکتی ہے۔ ان نشانیوں کے پیچھے حقیقت دیکھنی ہے۔ عورت، حسن جمال ذات کی نشانی۔ سوچیں کہ مرد کی خوشبو کیا ہوتی ہے۔ عورت کی کیا۔ یعنی عاشق کی کیا، محبوب کی کیا۔ عاشق کی خوشبو جلے ہوئے کباب کی طرح۔ اور بوئے محبوب سو میں سے ایک میں ہوتی ہے۔ یہ بوئے محبوب صلی علیک یا محمدؐ ہے۔ مشک کی خوشبو ہے، یٰسٓ ہے یا نافۂ ذات ہے۔ یا شمامة العنبر ہے دلہن کو لگایا جاتا ہے۔ یہ شہادتِ کبریٰ ہے۔ یا حنا کی خوشبو جو وصل کی خوشبو ہے۔ یا گلاب جس کے ہار پہناتے ہیں۔ یا چنبیلی جو جمالِ ذات کی خوشبو ہے۔ عورت ذات جمال ذات۔ حسنِ مجرد کی طرف اشارہ ہے۔ مادیت سے بلند ہو کر لفظ عورت ذات کی اس تجرید کو پائیں تو اندازہ ہو کہ حضورؐ کے فرمان میں کیا معنی پنہاں ہیں۔

اسی طرح خوشبو کی بات یہ ہے کہ کائنات کا حُسن سمٹ کر ایک کلی میں آجاتا ہے۔ اس کی پانچ پنکھڑیاں پنجتن پاک کی نشانی اور مادی رنگ میں پانچ حواس۔ یہ کلی پھٹ کر جب پھول بن جاتی ہے تو خوشبو پھیلتی ہے۔ یہ سب نورِ محمدیؐ کے انوار کے طفیل ہے۔ نورِ محمدیؐ رحمت کے انداز میں ''وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ'' ہے۔ جب اس نور کی تجلی ہوتی ہے تو کلا پھوٹتا ہے۔ پھر پودا بڑھتے بڑھتے کلیاں دیتا ہے۔ کلی کے حُسن کو اس وقت چٹکتے ہوئے دیکھیں جب سورج کی پہلی کرن نکل رہی ہو۔ یہ چٹکنے والا حُسن برزخ کی کیفیت ہے۔ کہ مکمل پھول ہے نہ مکمل کلی۔ ایک نمود کی بے تابی۔ ایک ''کَیفِ کُن'' کا زور۔ پھر کہیں بعد میں گل بنتا ہے اور اس کی خوشبو پھیلتی ہے۔ اسی قسم کی برزخ کی کیفیت میں قلندر رہتا ہے۔ اس کی شدتوں کا کیا حساب۔ پھٹ پڑنے کی بے تابی مگر بارہ لگام۔ قلندر اس تجرد کے کیف میں زندگی گذارتا ہے۔ اس کی نظر

مجردات پر ہوتی ہے۔ حُسن کو بغیر حسین کے دیکھتا ہے۔ حُسن مجرد کی تجرید کو پا جانا قلندر ہی کا کام ہے۔ جیسے مجرد حُسن کی تجرید ہو سکتی ہے، ایسے ہی مجرد خوشبو کی تجرید دُرود ہے۔ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" اس تجرید کا احساس ایک مجرد کو ہی ہو سکتا ہے۔ مجرد وہ جو تعینات سے ماورا ہو۔ البتہ جو تعینات میں ہوں ان کے لئے وہی خوشبو مختلف رُوپوں میں مل سکتی ہے۔ اللہ نظر کسی کو دے تو یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ کے انوار ان خوشبوؤں میں مل سکتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے کہ

ہم بھیس میں بلبل کے ہر شاخ پہ چہکیں گے
تم بوئے وفا بن کر ہر گل میں رہا کرنا

خوشبوؤں کا تعلق وفا سے ہے۔ قُرب سے ہے۔ ہم تعین میں ہیں، اس لئے خوشبو تعین اور لاتعین کے درمیان برزخ کی نشانی ہے۔ اور برزخ میں وہی شدتیں جو قلندری کا شیوہ ہیں۔ اور نماز سے بھی قُربِ ذات، معراج المومنین۔ اس طرح خوشبو کا بھی قُرب سے تعلق ہے۔ نماز کا بھی قرب سے۔ اور عورت کا بھی قُرب سے گویا ایک ہی حقیقت ان تین صفاتِ ذات کے ذریعہ بیان ہو رہی ہے۔

دیکھا جائے تو قیام حاصل کرنے کے لئے یہ قُرب ضروری ہے۔ وہ جمالِ ہم نشیں والی بات یا پہلی نظر ہی میں محبت ہو جانے کی بات۔ نظر کی اس بے ساختگی اور اس کے دائمی اثر کے کیا کہنے۔ یہ ازلی نسبت کی بات ہوتی ہے۔ جو پیدا ہونے سے پہلے بھی ان روحوں میں تھی۔ ازل کے اس تعلق کی وجہ سے یہاں ایک جھلک، ایک ملاقات ہی کافی ہو جاتی ہے۔ اگر یہ جسمانی ملاقات نہ بھی ہو سکے تو اویسیؒ نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ یہ تعلق جن روحوں کے

درمیان ازل میں تھا تو یہاں دنیا کی زندگی میں عمر بھر بھی جھک مارنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

چشتیہ سلسلہ میں ایسی بھٹکی ہوئی روحوں کے لئے جن کی یادداشت نسلی حجابات کی بنا پر کمزور ہوگئی ہو، قرب حاصل کرنے کا راز۔

ساز وردِ زباں معین الدینؒ

ہے۔ محبوب کے نام کا ورد ہی، اس نسبتِ ازلی کو پھر سے قائم کرادینے کا ضامن بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے اپنے تعین کی مخصوص خوشبوؤں میں بھی بس جاتے ہیں۔ البتہ جن کی ناک نزلہ سے بند ہو عقل و نفس کا زکام ہو وہ خوشبو کیا سونگھیں۔ پھر خوشبو میں بس جانا تو اور بھی آگے کی بات ہے۔ البتہ جن کے سونگھنے کی صلاحیت مُردہ نہیں ہوتی ان کو جہاں پاک روحیں ملیں، پاک خوشبو آتی ہے۔ اور جہاں بد روحیں وہاں بدبو تعفن۔ ہند و فقراء کو گل کی بُو کرتے ہیں۔ یہ ان کی خشک توحید کی طرح خشک اور بے کیف ہوتی ہے۔ اور مسلمان فقراء کی خوشبو چنبیلی، گلاب، شمامۃ العنبر، مُشک، نافہ ذات، خوشبوئے یلتی۔

بابا تاج ؒ کی خوشبو چنبیلی ہے، بابا قادرؒ کی گلاب اور مُشک، ایک اور بزرگ کی شمامتہ العنبر، اس میں مشک بھی ہے، عنبر بھی، گلاب بھی اور زمین صندل کی۔ پیراں پیرؒ کی خوشبو عود ہے۔ نشانی کے طور پر عود بتی مزاروں پر جلاتے ہیں۔ اس لئے کہ پیراں پیرؒ کا قدمِ مبارک ہر ولی کے کاندھے پر۔ یہ بھی جاننے کی بات ہے کہ ہر خوشبو کا عطر بنتا ہے عود کا عطر نہیں بنتا۔ یہ وہی بات ہے کہ محبوبِ سُبحانی یکتا۔ ان کی ذات میں سُبحانیت کا تجریدی روپ یکتائیت لئے ہے۔ یوں عمومی طور سے خوشبوؤں کی زمین صندل ہوتی ہے۔

صندل نباتات کا بادشاہ، نباتی ذرات کی اکملیت کی نشانی اور اکمل ہونے کے بعد وہ بچہ کی سی سادگی، پاکی، معصوم خوشبو۔ عطروں کیلئے اسی صندل کی زمیں ماں کی گود کی طرح خوشبوؤں کو بس جانے میں مدد دیتی ہے۔ صندل کا تیل، روغن حیات کی نشانی ہے یعنی حیؔ و قیوم، دائم قیام والی بات۔ اور خوشبو پھیلنے کی طرح نَشرِ کُن کی بے تابی۔

یوں طریقت کے راستے میں خوشبوئیں سونگھ بھی لیتے ہیں یا اور ان کی مدد سے جسم میں خوشبوئیں پیدا بھی کر لیتے ہیں۔ مگر یہ سرور لینا اور بات ہے، قبر تک کا دھندا ہے۔ اور خوشبوؤں میں بس جانا اور بات ہے۔ یہ حقیقت کا راستہ ہے۔ اسے دائمی قیام ہے اور مرنے کے بعد بھی روح میں قائم رہتا ہے۔ خوشبوؤں میں بسنا چاہو تو جلنا ہے۔ اس کے بغیر نہیں۔ یہ عشق کی آگ ہے۔ اس میں اچھے برے کا سوال ہی نہیں رہتا۔ ان خوشبوؤں میں بسنا عشق کی آگ میں گرم ہوکر عطر کشید ہونے کی بات ہے۔ مگر اس سے پہلے نسبت قائم کرنی ہوتی، ہے جیسے گلاب چنبیلی وغیرہ کی۔ پہلے تلوں کے ساتھ تہ جماتے ہیں۔ اور جب قُرب حاصل ہوجاتا ہے تو عملِ کشید کے بعد عطر نکلتا ہے۔ البتہ کسی وجود میں خوشبو میں بس جانے کی اہلیت کے لئے تیل کی زمین ہونی چاہیے۔ یعنی حرارتِ غریزی، قوتِ مردی۔ یہ دم نہ ٹوٹنے والی بات ہے۔ دمادم مست قلندر کے خیالات اور جذبات تک میں انتشار نہ آئے۔

اَشدِّہٖ ذِکراً کی کیفیت دائم رہے۔ جو دم غافل، سو دم کافر۔ اس یک رخی کے بغیر تجرید کی کیفیت نہیں ہوسکتی۔ عشق ہی یہ یک رُخی عطا کرتا ہے۔ اور شدتوں کا ضامن بنتا ہے۔ یوں فاقہ کُشی، نفس کشی یا ریاضت اور مجاہدے کر کے مصنوعی قیام حاصل کرنے کی کوشش صرف ایک محدود سی بات رہ جاتی ہے۔ اور

سادھو لوگ تو نفس کشی اور مصنوعی طریقوں سے قوتِ مردمی بچانے کی یہ کوشش کرتے ہیں کہ صندل کا عطر پی لیتے ہیں جس سے جنسیات کا رجحان ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک مصنوعی جسمانی تجرید حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر قلندری کی بات بہرحال دوسری ہے۔ قلندر اپنی شدّت عشق میں ان سہاروں کے بغیر اس کیفیت کو فطری طور پر حاصل کر لیتا ہے۔ وہ بھی جسم سے تجرد ہوتا ہے۔ دنیا کے پانی میں ہوتے ہوئے اس کے پاؤں پانی میں نہیں بھیگتے۔ وہ بھی برہما چاری ہو کر زندگی گذارتا ہے۔ اور ٹھنڈے مردہ سکون کی جگہ محرک شدتوں کی کیفیت میں بھنور مستانوں میں سکون حاصل کرتا ہے۔ گھوم پھر کر بات عشق پر آجاتی ہے۔ اور عشق میں نہ کچھ حاصل کرنا ہے نہ پانا۔ عشق قربان ہونا ہی جانتا ہے۔ سب کچھ محبوب کے قدموں میں نثار اور ادب ایسا کہ دیدار کی تمنا بھی بے ادبی۔ عشق کی بات یہ ہے کہ جتنا اپنا دل مجلّٰی ہوتا ہے اسی کا پرتو اپنا عشق ہوتا ہے۔ عشق ہی بنائے موجودات ہے۔ ''اَحبَبتُ اَن اُعرَفُ'' عشق ہی اس بنا پر جوہر انسانیت ہے۔

طب میں خوشبو بھی جوہر کہلاتی ہے۔ یہ اسنس والی بات نہیں جو محدود چیز ہے۔ بلکہ Essential کی بات ہے جو ہر مرکز سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی وجود کے مرکز کی بات ہے۔ انا سے اس کا تعلق ہے۔ یہ انا اپنے اندر حق کا پرتو ہے۔ اور کسی منزل یا کسی مقام کسی حالت میں ختم نہیں ہوتی۔

انا کی سب سے نچلی سطح جسمانی حالت کا اندازہ کریں تو مر جانے کے ہزاروں سال بعد بھی ہڈیوں کے مغز یا ان کی ساخت میں یہ انا چھپی رہتی ہے۔ مردہ ہڈیاں کو بظاہر ایک جیسی ہوتی ہیں مگر تجربہ کار سائنسدان بتا دیتے ہیں کہ کون کیا تھا۔ اس طرح ان ہڈیوں تک میں اپنی اپنی انفرادیت، اپنی اپنی انا

علیحدہ قائم رہتی ہے۔ پھر جب اوپر کے مقامات پر اس انا کو دیکھا جائے تو انا کی انفرادیت ہر منزل پر قائم رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وصل کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔

معراج کے واقعہ پر غور کریں۔ ''قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی'' درمیان میں یہ تھوڑا سا فاصلہ اپنی انا کے سبب اس اونچے مقام پر بھی قائم رہتا ہے۔ اصل انا تو اللہ ہے یا وجودِ مطلق۔ انائے مطلق۔ اور اپنی انا اَو اَدْنٰی ہے۔تو یہ انا یہ جوہر ہر شے کا باطن ہے۔ اور اس کی اپنی علیحدہ انفرادیت ہے۔ یہاں تک کہ اروح میں بھی یہ اپنی انفرادی انا قائم رہتی ہے۔ مرنے کے بعد یا ''مُوْتُوْ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْ'' ہونے کے بعد روح میں قیام ہوتا ہے۔ روح کا جوہر اس کی خوشبو ہے۔ یہ خوشبو اس کی نسبت کی **دلیل** دیتی ہے۔ اور اسی سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر شمامۃ العنبر جس میں گلاب بھی ہے، عنبر بھی، مشک بھی اور زمین صندل کی۔ یا گارڈ ینیا جس میں گلاب بھی ہے، اور لیموں بھی۔ اپنی زمین کی صلاحیت کے مطابق انفرادی خوشبوؤں میں بس جانا مقدر میں عطا ہوا ہے۔

جمالِ ہم نشیں

جمالِ ہم نشیں کے تاثر میں یہ خوشبوؤں کا بس جانا ہے اور پھر خود خوشبو بن جانا ہے۔ یہی روح کا نکھار ہے۔ یہی اس کے جوہر کا الم نشرح ہے۔

وجودِ انسانی پر غور کریں تو حواسِ خمسہ ظل ہیں روح کی صلاحیتوں کا مگر حواسِ خمسہ کی وسعت محدود ہے۔ صحت یا زندگی تک کی بات ہے۔

روح کی صلاحیتوں سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو روح کی لمس (چھونے کی حس) اس کا روپ اَمرِ رَبّی ہے، تصور ہے، ایمان ہے۔ روح کی نظر تیسری آنکھ ہے، بصیرت ہے، عرفان ہے۔ روح کا کلام علم لدُنّی ہے، درود ہے۔ قرآن ہے۔ روح کا ذائقہ ذکر ہے، سورۃ رحمٰن ہے، وجدان ہے۔ اور روح کی خوشبو، روح کی حیات ہے۔ یٰسٓ ہے، ایقان ہے۔

اسی طرح دیکھا جائے تو جیسے نفس کا جوہر عقل ہے۔ لطیفہ نفس کا نور عقل، قلب کا جوہر عشق ہے۔ لطیفہ قلب کا غم عشق۔ اسی طرح روح کا جوہر خوشبو ہے، اور لطیفہ روح کا بوئے ذات (مشکِ یٰسٓ)

جہاں جسم کو فنا ہے روح کو بقائے دوام ہے۔ قطرہ دریا میں فنا ہو کر بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انائے مطلق کے قرب، جمالِ ہم نشین کے تاثر میں انائے جزوی عطا ہوئی۔ حق کا ظل ہو کر نسبت حق مستحکم ہوئی۔ جوہر مطلق کے نسبت سے جوہرِ روح "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَان" کے انداز میں انفرادی یکتا صفات کی حامل ہوئی۔ اب انا کو فنا نہیں بقائے دوام ہے۔

اس مقامِ جمالِ ہم نشیں کا انداز ایسا سمٹ کر نکتہ پر آ گیا ہے کہ مشکِ ذات بوئے یٰسٓ بن چکا ہے۔ اپنی ہی خوشبوؤں میں ملفوف ہے۔

"وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی. اور یَبْقٰی وَجْهُ"

کا انداز عالم میں ایسا پھیلا ہے کہ از زمان و زمن بوئے دوست می اید۔ "وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی"

گلِ خوشبوئے درحمام روزے رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دل آویزِ تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم ولے یک مدتے باگل نشستم
جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

❁❁❁❁